عہد عباسی میں

قبرص کے متعلق ایک استفتاء

مولانا عبدالرحمٰن طاہر سورتی

[حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں امیر معاویہؓ والیِ شام کو جزیرہ قبرص پر حملہ کرنے کی اجازت مل گئی۔ ۲۸ھ میں وہ ایک عظیم بحری بیڑہ لے کر قبرص پہنچے۔ وہاں کے باشندوں سے صلح ہو گئی۔ اور اسلامی حکومت نے انہیں بیک وقت اپنا اور رومی حکومت کا باجگذار تسلیم کر لیا۔ انھوں نے اسلامی حکومت کو سالانہ سات ہزار دو سو دینار ادا کرنا منظور کیا۔ اتنی ہی رقم وہ رومی حکومت کو ادا کرتے تھے۔ صلح کی شرائط میں اہل قبرص نے مسلمانوں سے خیر خواہی کرنا، مسلمان افواج کی دشمن کے مقابلہ کے لئے جانے میں مزاحمت نہ کرنا، اور اگر رومی مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کریں تو مسلمانوں کو اس کی اطلاع دینا منظور کر لیا تھا۔

بعد ازاں مختلف زمانوں میں اہل قبرص سے کبھی کبھی عہد شکنیاں ہوتیں اور اسلامی حکومت کی طرف سے ان کی مناسب سرکوبی کر دی جاتی۔ لیکن صلح کا وہ معاہدہ جو امیر معاویہؓ نے ان سے کیا تھا، وہ بحال رکھا گیا۔ ہارون الرشید کے دَور میں اہل قبرص کی بدعہدی پر حمید بن معیوف نے قبرص پر حملہ کیا اور تقریباً سولہ ہزار قبرصیوں کو گرفتار کیا گیا۔

الغرض قبرص کا مسئلہ اسلامی حکومت کے لئے مستقل دردِ سر بنا رہا۔ خلیفہ ہارون الرشید کے جانشین امین نے شام و جزیرہ اور سرحدی علاقوں (ثغور) کا والی عبدالملک بن صالح کو بنایا جو ایک نامور سپہ سالار تھا۔ اس نے قبرص پر بڑے پیمانہ پر فیصلہ کن حملہ کرنا چاہا۔ ایک ایسا علاقہ جس کے باشندوں سے پہلے سے مسلمانوں کا معاہدہ چلا آتا ہے، لیکن وہ مسلمانوں کو برابر پریشان کرتے رہتے ہیں، کیا اس پر حملہ کیا جا سکتا ہے۔ اس مسئلہ میں دینی رہنمائی حاصل کرنے کے لئے عبدالملک بن صالح نے اپنے زمانے کے معروف و مستند فقہاء کی طرف رجوع کیا۔ والیِ موصوف کے اس طرزِ عمل سے اس زمانے کی اسلامی حکومت کے

طریق کار پر روشنی پڑتی ہے۔

عبدالملک بن صالح کی فقہاء سے یہ خط و کتابت امام ابو عبیدؒ نے "کتاب الاموال" میں نقل کی ہے۔ ابو عبیدؒ ہی سے اُن کے شاگرد ابوالحسن احمد بن یحییٰ بلاذری نے یہ تفصیلات اپنی شہرہ آفاق تصنیف "فتوح البلدان" میں درج کی ہیں۔ ذیل میں کتاب الاموال سے اس مراسلت کی تفصیلات دی جاتی ہیں]

قبرص بحیرہ روم کا ایک جزیرہ ہے جو اسلامی حکومت اور رومی حکومت کے درمیان واقع ہے۔ امیر معاویہؓ نے یہاں کے باشندوں سے صلح کی تھی اور معاہدہ میں یہ شرط رکھی تھی کہ وہ مسلمانوں کے باجگذار رہیں گے۔ اس کے ساتھ ہی وہ رومی حکومت کے بھی باجگذار تھے۔ اس طرح وہ دونوں حکومتوں کے ذمی تھے۔ یہ لوگ اسی حالت میں چلے آرہے تھے تاآنکہ سرحد پر عبدالملک بن صالح[1] کا تعین ہوا۔ اس زمانے میں وہاں کے لوگوں نے یا بعض لوگوں نے کوئی (غیر معمولی) شورش بپا کی، جسے عبدالملک نے ان کی عہد شکنی پر محمول کیا۔ یہ وہ دور تھا جب علماء و فقہاء بکثرت تھے۔ چنانچہ عبدالملک نے ان سے جنگ کرنے کے جواز کے بارے میں مشورہ کے لئے چند فقہاء کو سوال نامہ بھیجا جن میں سے چند فقہاء یہ ہیں:۔ لیث بن سعد[2]۔ مالک بن انس[3]۔ سفیان بن عیینہ[4]۔ موسیٰ بن اعین[5]۔ اسمٰعیل بن عیاش[6]۔ یحییٰ بن حمزہ[7]۔ ابو اسحٰق فزاری اور مخلد بن حسین[8]۔ ان سب نے انہیں جوابات لکھ بھیجے۔

ابو عبید: ان حضرات کے عبدالملک کے نام یہ خطوط اس کے دفتر سے برآمد ہوئے اور مجھے ملے۔ میں اس موضوع سے متعلق ان کی آراء کا مفہوم مختصراً پیش کروں گا، ان تمام فقہاء نے عبدالملک کے نتیجہ فکر سے اختلاف کیا ہے۔

---

[1] یہ خلیفہ رشید و امین کے زمانہ میں بڑا سپہ سالار تھا، ۱۹۶ھ میں وفات پائی۔

[2] لیث بن سعد (متوفی ۱۷۵ھ) آپ مصر کے قاضی اور مفتی تھے۔

[3] مالک بن انس (متوفی ۱۷۹ھ) آپ امام دارالہجرہ (مدینہ) تھے۔

[4] سفیان بن عیینہ مکہ کے بڑے فقیہ تھے۔

[5] موسیٰ بن اعین (متوفی ۱۷۷ھ) آپ عراق کے فقہاء میں سے تھے۔

[6] اسمٰعیل بن عیاش مفتی شام تھے۔

[7] یحییٰ بن حمزہ قاضی دمشق تھے۔

[8] ابو اسحٰق فزاری اور مخلد بن حسین دونوں فقہاء سرحدی علاقوں میں قیام پذیر تھے۔

اس سے احتیاط برتی جائے گی اور حو کنارہ جائے گا۔ اور جتنے بھی ایسے معاہد لوگ ہیں جن کی مدافعت میں مسلمان جنگ نہیں کرتے اور جن میں مسلمانوں کے احکام جاری نہیں ہوتے انہیں اہل ذمہ (ذمی) نہیں کہا جائے گا بلکہ وہ اہل فدیہ کہلائیں گے۔ وہ جب تک ہم سے تعرض نہیں کریں گے ہم بھی ان سے رُکے رہیں گے اور جب تک وہ وفاداری کا دم بھرتے رہیں گے، ہم بھی ان سے وفا کرتے رہیں گے۔ اور جو کچھ بھی وہ بطیب خاطر ادا کرتے رہیں گے، ان سے قبول کیا جائے گا۔ اور یہ جائز نہیں کہ ایسی (اہل ذمہ والی) حالت مسلمانوں کی ہو کہ وہ کچھ دے کر کفار سے معاملہ کریں۔ اِلا یہ کہ انہیں کفار سے کوئی بڑا خطرہ لاحق ہو۔ یا وہ کمزوری کے باعث ان سے لڑنے کی تاب نہ رکھتے ہوں یا انہیں کسی دوسرے محاذ پر ایسی مصروفیت ہو کہ وہ اس دشمن کی طرف متوجہ نہ ہو سکیں۔ حضرت معاذ بن جبل رضؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کا کسی مقررہ رقم کے عوض دشمن سے صلح کرنا مکروہ قرار دیا۔ اِلا یہ کہ مسلمان ان سے صلح کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اس لئے کہ کسے معلوم کہ اس صلح سے وہ آسودہ و غالب ہو جائیں اور ان کو کسی قسم کی ذلت و محکومیت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

ابو اسحٰق اور مخلد بن حسین کا جواب | ابو اسحٰق اور مخلد بن حسین نے یہ لکھا تھا:

"ہماری نظروں میں مسئلہ قبرص (اور اس کے فیصلہ) سے سب سے زیادہ ملتا جلتا مسئلہ عربسوس کا مسئلہ اور اس کا حضرت عمر رضؓ بن الخطاب والا فیصلہ ہے (بعد ازاں انہوں نے ہماری مذکورہ بالا پوری روایت درج کی)۔ اوزاعی بیان کرتے تھے کہ مسلمانوں نے قبرص فتح کیا، پھر وہاں کے باشندوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا گیا۔ ان سے معاہدہ میں چودہ ہزار دینار ادا کرتے رہنے کی شرط طے ہوئی، جن میں سے سات ہزار مسلمانوں کو، اور سات ہزار رومی حکومت کو ادا کیا جائے گا۔ معاہدہ میں یہ بھی شرط تھی کہ وہ (اہل قبرص) مسلمانوں سے ان کے دشمنوں کا کوئی معاملہ پوشیدہ نہ رکھیں گے، نہ رومی حکومت سے مسلمانوں کا معاملہ چھپائیں گے"۔ اوزاعی یہ بھی کہا کرتے تھے: "اہل قبرص نے کبھی بھی ہم سے وفا نہیں کی، بایں ہمہ ہمارا خیال یہی ہے کہ ان لوگوں سے عہد و پیمان کیا گیا ہے۔ ان سے جو معاہدۂ صلح ہوا ہے اس میں بعض شرائط ان کے حق میں اور بعض شرائط ان کے مفاد کے خلاف ہیں لیکن اس معاہدہ کو توڑ ڈالنا درست نہیں ہوگا۔ تاوقتیکہ ان کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے ان کی غداری و عہد شکنی کا ثبوت مل جائے"۔

ابو عبید: میرا خیال ہے کہ ان فقہاء کی اکثریت پابندیٔ عہد کی تاکید اور ان لوگوں سے جنگ کرنے کی ممانعت کر رہی ہے تاوقتیکہ مجموعی طور پر پوری قوم عہد شکنی کی مرتکب نہ ہو جائے۔ اور دونوں اقوال میں سے یہی قول زیادہ قابل اتباع ہے۔ نیز یہ اصول کہ خواص کے جرم پر عوام کی گرفت نہیں کی جائے گی۔ ہاں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ خواص کے اقدام کو عوام کی تائید و خوشنودی حاصل ہے تو ایسی صورت میں عوام کا خون روا ہو جائے گا۔